IQBAL REVIEW (67: 1)
(January– March 2026)
ISSN(p): 0021-0773
ISSN(e): 3006-9130

کلامِ اقبال میں اصلاح و تنسیخ کا عمل

فنی شعور، فکری ارتقا اور شعری معیار کا مطالعہ

The Process of Revision and Deletion in Iqbal's Poetry:
A Study of Artistic Consciousness, Intellectual Evolution, and Poetic Excellence

ستار خٹک

Abstract

This research article examines the process of revision, correction, selection, and deletion in Allama Muhammad Iqbal's Urdu poetry, with particular emphasis on its literary, aesthetic, and intellectual significance. The study argues that Iqbal's poetic greatness was not merely the result of spontaneous inspiration but of sustained artistic discipline, critical self-evaluation, and rigorous revision. By analyzing the corrections made in *Bang-e-Dara*, *Bal-e-Jibril*, *Zarb-e-Kalim*, and the Urdu section of *Armaghan-e-Hijaz*, the article highlights Iqbal's deep concern for verbal precision, thematic coherence, musicality, imagery, rhetorical force, and philosophical clarity. The research notes that 968 verses in Iqbal's Urdu poetry underwent revision, while a large

number of verses were excluded from the accepted canon, indicating his uncompromising commitment to poetic excellence. The article further shows that Iqbal's revisions were generally not aimed at changing his fundamental ideas, but at refining expression, strengthening artistic impact, removing ambiguity, and aligning poetic language with his broader spiritual and reformative mission. Through this process, Iqbal emerges not only as a great poet and thinker but also as a highly conscious critic of his own art. The study concludes that Iqbal's revisions provide an important critical framework for understanding his poetics, his theory of art, and the evolution of his creative personality.

Keywords

Iqbal's Poetry, Poetic Revision, Textual Criticism, Urdu Literature, Poetics of Iqbal, Literary Self-Criticism, Creative Evolution

علامہ اقبال کی شاعری اپنے فکری وقار، معنوی گہرائی اور فنی شعور کے اعتبار سے اردو ادب میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ ان کے کلام کا مطالعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ شاعری ان کے نزدیک محض جمالیاتی اظہار نہیں بلکہ ایک بامقصد فکری و اصلاحی عمل تھا۔ اقبال نے اپنے شعری سرمائے کو مسلسل نظرِ ثانی، انتخاب اور اصلاح کے عمل سے گزارا تاکہ اظہار اور پیغام دونوں اعلیٰ ترین معیار پر قائم رہیں۔ ان کی شاعری کا بلند معیار ہی دراصل ان کی عظمت کا بنیادی راز ہے، کیونکہ انہوں نے تخلیقی انتخاب میں کبھی معیار پر سمجھوتہ نہیں کیا۔ باقیات اور متروکاتِ اقبال کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی فنی اعتبار سے معیاری غزلیں اور نظمیں بھی انہوں نے خود قلم زد کر دیں، جس سے ان کے سخت ادبی احتساب اور فکری شعور کا اندازہ ہوتا ہے۔ اقبال کے نزدیک شاعری مقصدِ حیات نہیں بلکہ ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کا ذریعہ تھی۔ ایسا مقصد جو منتشر امت کو فکری وحدت عطا کرے اور اتباعِ رسول ﷺ کی حقیقی راہ کی طرف رہنمائی کرے۔ اسی شعوری وابستگی نے ان کے کلام کو محض جذباتی یا سفلی میلانات سے محفوظ رکھا اور انہیں حکیم الامت، مفکرِ اسلام اور مصلح کے طور پر تسلیم کیا گیا۔ اقبال نے اپنے فنی وجدان کو فکری ذمہ داری کے ساتھ ہم آہنگ کرتے ہوئے خونِ جگر سے اپنے کلام کو سنوارا اور

معانی کے تقدس کو لفظ کی پاکیزگی کے ساتھ اس طرح مربوط کیا کہ شاعری فکری مرکزیت اور روحانی بیداری کا مؤثر وسیلہ بن گئی۔

اصلاحات اور ترمیمات کی تفصیل: بانگِ درا میں کل ۵۳۹ اشعار میں ترمیم کی گئی ہے۔ صرف ۱۷ نظمیں ایسی ہیں کہ جن میں ترمیم نہیں کی گئی ہے۔ البتہ ان ۱۷ نظموں میں بھی کافی اشعار متروک اور منسوخ قرار دیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر طویل نظم تصویرِ درد میں ساٹھ سے زیادہ اشعار متروک ہیں۔ بانگِ درا کی نظموں کے عنوانات بھی تبدیل کئے گئے ہیں۔ بانگِ درا کے ۴۶ عنوانات میں ترمیم کی گئی ہے۔ بالِ جبریل میں ترمیم شدہ کل اشعار ۱۵۴ ہیں۔ ۱۲ عنوانات میں ترمیم کی گئی ہے۔ ضربِ کلیم کے ۲۲۷ اشعار میں اصلاحات کی گئیں ہیں اور تقریباً ۳۸ عنوانات بھی تبدیل کئے گئے ہیں۔ ارمغانِ حجاز حصہ اردو کے ۴۸ اشعار میں اصلاح کی گئی ہے اور پانچ عنوانات بھی تبدیل کئے گئے ہیں۔ اس طرح کلامِ اقبال اردو میں کل ۹۶۸ اشعار میں اصلاحات اور ترمیمات کی گئی ہیں۔ علامہ اقبال کے متداول کلام میں اشعار کی کل تعداد ۴۶۹۷ ہے۔ متروک اشعار کی تعداد ۳۵۲۶ ہے۔ اس طرح متداول اور غیر متداول اشعار کی تعداد ۸۲۲۳ بنتی ہے۔ ان میں سے ۴۲ فیصد اشعار متروک ہیں اور ۲۰ فیصد اشعار میں اصلاحات کی گئیں ہیں۔ ان اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نے کس باریک بینی سے اپنے کلام کو صاف کیا ہے۔

دنیا کے ہر بڑے مصنف اور شاعر کی طرح اقبال نے بھی اپنے کلام پر خوب محنت کی ہے۔ اگر ہم بڑے بڑے مصنفین اور شعراء کے مسودات کا جائزہ لیں تو معلوم ہو جائے گا کہ ان مصنفین نے کتنی دفعہ اپنی تحریروں کو کاٹا ہے۔

رچرڈ ڈی ایلٹک (Richard D. Altick)، جو امریکی پروفیسر اور ادبی مؤرخ تھے، اپنے تحریری عمل میں غیر معمولی محنت اور بار بار نظرِ ثانی کے قائل تھے۔ ان کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی پہلی کتاب The Scholar Adventurers کو چھے بار اور اپنی معروف تصنیف The Art of Literary Research کے ہر باب کو چار بار از سرِ نو تحریر کیا، اور خود اپنے مختلف انٹرویوز اور ادبی مضامین میں مسودے کو بار بار لکھ کر نکھارنے کی دشواریوں کا اعتراف کیا۔[1] اسی طرح اطالوی نشاۃ الثانیہ کے عظیم شاعر لودوویکو اریوسٹو (Ludovico Ariosto)، جنہیں بعض اردو متون میں "ایرسٹو" بھی لکھا گیا ہے، اپنی شاہکار تصنیف *Orlando Furioso*، ۱۵۱۶، کی زبان، روانی اور

شعری صفائی کے لیے ایک ایک مصرعے اور فقرے کو بار بار بدلتے تھے۔ ان کے مسودات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اچھے فقرے آٹھ آٹھ دفعہ کاٹے گئے، اور اطالوی نقادوں، خصوصاً فرانسسکو ڈی سانکٹس، نے اس تصحیحی عمل کا ذکر کیا ہے۔[۲] جس کے مقدمے میں مسودات کی تصحیح سے متعلق تفصیلات ملتی ہیں۔ لارڈ میکالے، یعنی تھامس بابنگٹن میکالے (Thomas Babington Macaulay)، برطانوی مؤرخ اور سیاست دان، اپنی نثر کی ساخت، جملوں کی ترتیب اور اسلوبی صفائی کے بارے میں نہایت حساس تھے۔ ان کی تصنیف *The History of England from the Accession of James II* کے مسودات، جو برٹش میوزیم، موجودہ برٹش لائبریری، میں محفوظ ہیں، اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ بعض فقرے دس دس مرتبہ کاٹے اور بدلے گئے۔ جارج اوٹو ٹریویلین نے اپنی سوانحی کتاب *The Life and Letters of Lord Macaulay* میں میکالے کے اس محنت طلب اسلوبی عمل کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔[۳] امریکی فلسفی اور ماہرِ نفسیات ولیم جیمز (William James) نے اپنی عظیم کتاب *The Principles of Psychology*، ۱۸۹۰ء، کی تکمیل میں تقریباً بارہ سال صرف کیے۔ ان کے خطوط اور سوانحی حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انسانی نفس کے پیچیدہ مباحث کو صاف، سادہ اور مؤثر زبان میں پیش کرنے کے لیے ہر صفحے کو کئی کئی بار، روایتاً تقریباً چھ مرتبہ، دوبارہ لکھتے تھے۔[۴] روسی ناول نگار لیو ٹالسٹائے (Leo Tolstoy) کے بارے میں ادبی دنیا کا مشہور واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنے عظیم ناول *War and Peace*، ۱۸۶۹ء، کا مسودہ سات مرتبہ اپنی اہلیہ صوفیہ ٹالسٹایا (Sophia Tolstaya) سے نقل کرایا۔ صوفیہ نے اپنے روزناموں میں لکھا ہے کہ وہ راتوں کو جاگ کر اس ضخیم ناول کے مسودے صاف خوشخطی میں نقل کرتی رہیں، کیونکہ ٹالسٹائے روزانہ اس میں نئی ترامیم کر دیتے تھے۔[۵] فرانسیسی ادیب اور نوبل انعام یافتہ اناطول فرانس (Anatole France) کے بارے میں بھی یہ بات مشہور ہے کہ وہ اپنی کتابوں کے پروف آٹھ بار تک دیکھتے اور بدلتے تھے۔ وہ پہلے سفید کاغذ پر نسبتاً مبہم انداز میں لکھتے، مگر جب پریس سے گیلے پروف (Galley Proofs) آتے تو ان پر اتنی ترامیم کرتے کہ گویا ایک نیا مسودہ بن جاتا، اور یہ عمل کئی مرتبہ دہرایا جاتا۔[۶] فرانسیسی حقیقت پسند ناول نگار اونورے ڈی بالزک (Honoré de Balzac) کا تصحیحی جنون تو ادبی تاریخ میں ضرب المثل ہے۔ وہ اپنے مجموعۂ تصانیف *La Comédie Humaine* کی تیاری کے دوران پریس سے بار بار پروف منگواتے، حاشیوں پر نئے مکالمے، واقعات اور کرداروں کی تفصیلات لکھ دیتے، اور بعض

ناولوں، مثلاً Pierrette، کے لیے پندرہ سے ستائیس بار تک پروف درست کراتے رہے۔ اس عمل نے ناشروں اور کمپوزیٹروں کو سخت پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا۔[۷] اسی طرح جین جیکس روسو (Jean-Jacques Rousseau)، فرانسیسی مفکر اور فلسفی، اپنی تحریر کے اثر، لفظ کے انتخاب اور اسلوبی تاثیر کے بارے میں شدید حساس تھے۔ ان کی سوانح عمری اور خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب کی چھپائی کے دوران بھی پریس کے چکر لگاتے اور آخری مرحلے پر بعض الفاظ یا حصوں پر نظرِ ثانی کراتے تھے۔ اس حوالے سے ان کی مشہور تصنیف *Confessions* کو دیکھا جا سکتا ہے۔[۸]

مگر اقبال اپنے اشعار کو قلمزد کرنے میں ان پر بھی سبقت لے گئے ہیں۔ جگن ناتھ آزاد لکھتے ہیں:

> ۱۹۱۸ء میں جب رموزِ بے خودی چھپی تو جسٹس دین محمد نے اقبال سے کہا کہ یوں تو یہ ساری مثنوی لا جواب ہے لیکن اس کا ایک شعر خاص طور سے پسند آیا ہے اور وہ شعر یہ ہے۔
>
> در میانِ کار زار کفر و دیں
> ترکشِ ما را خدنگِ آخریں[۹]
>
> اقبالؒ نے جواب میں کہا "دین محمد" یہ شعر میری چالیسویں کوشش کا نتیجہ ہے۔[۱۰]

اقبال کے اصل شاعرانہ و مفکرانہ خیالات وہ ہیں جو اُن کے فارسی کلام میں ظہور پاتے ہیں۔ یہ ہماری بڑی بد قسمتی ہے کہ ہم ان کی فارسی شاعری سے بے بہرہ ہیں۔ رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

> اقبال نے فکر کی بلندی، جذبہ کی طاقت اور تخیل کی نادرہ کاری سے اپنی مثنوی کو مولوی معنوی تک پہنچا دیا۔ اقبال نے فارسی کو اردو سے ربط دے کر اس کو حسنِ زبان اور زورِ بیان دیا، جو اعلیٰ بیانیہ شاعری کے لیے ضروری ہے۔ خصوصاً تقلیدِ رومی میں مثنوی کو اپنایا۔ اقبال کی مختلف چھوٹی بڑی نظموں میں اس صنف شاعری کے بڑے اچھے نمونے ملتے ہیں۔ اردو میں جب کبھی ڈوائن کامیڈی کے انداز کی کوئی چیز لکھی گئی تو اس کی زبان، انداز اور سطح وہی ہو گی جو اقبال نے مقرر کر دی ہے۔ اس طور پر اقبال نے اردو شاعری کو نسب ہی نہیں حسب بھی دیا ہے۔[۱۱]

سچی بات یہ ہے کہ اقبال ہمارا قومی ہیرو ہے۔ ان کی فارسی شاعری بھی انہی مراحل سے گذری ہے۔ اقبال پیامی تھا، پیغمبر نہیں۔ ہم نے جوشِ عقیدت میں اُسے تنقید سے بالا تر مخلوق بنا دیا ہے۔ ایک عرصے تک وہ اپنے استاد داغ کے رنگ میں شاعری کرتے رہے۔ بیسویں صدی میں وہ آہستہ آہستہ اس رنگ سے ہٹ کر اپنا نیا رستہ بنانے لگے۔ نتیجے کے طور پر داغ کے رنگ کی جملہ غزلیں متروک ہو گئیں۔ بانگِ درا میں اس رنگ کی محض ایک غزل باقی رکھی ہے۔

تمہارے پیامی نے سب راز کھولا
خطا اس میں بندے کی سر کار کیا تھی[۱۲]

ان کی متروک شاعری میں اس قسم کے اشعار بھی پائے جاتے ہیں۔ اس سے اقبال کی تنقیص نہیں ہوتی اس کے فن کا ارتقائی عمل سامنے آتا اور اُن کی محنت، شوق، لگن کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔

کیوں وصل کے سوال پہ چپ لگ گئی تمہیں
دو چار گالیاں ہی سنا دو جواب میں
آئینہ رکھ کے سامنے زلفیں سنوار تو
تیری بلا سے، کوئی رہے پیچ و تاب میں[۱۳]

۱۹۰۶ء تک اقبال کا فن پوری طرح بالیدہ ہو چکا تھا۔ اُن کے نزدیک جو غزلیں شاعرانہ اعتبار سے ساقط المعیار تھیں انہیں بھی خارج کر دیا۔ منسوخ غزلوں کا سب سے بڑا مخزن روز گارِ فقیر جلد دوم ہے۔ یہ غزلیں اس سے پہلے رسائل میں بھی شائع نہیں ہوئیں۔ روز گارِ فقیر میں ماخذ کا حوالہ نہیں ملتا۔ ان میں سے اکثر غزلیں فن کی بلندیوں پر ہیں انہیں ترک کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ اندازہ یہ ہے کہ اقبال نے اپنی قلندرانہ بے نیازی کے سبب کوئی بیاض نہیں بنائی تھی۔ بانگِ درا کی ترتیب کے وقت بھی انہوں نے کلام کے جمع کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ ورنہ کئی غزلیں اور نظمیں اس میں شامل ہو سکتی تھیں۔

اقبال کی متروک نظموں میں صرف ایک "نظم دین و دنیا" ہلکی پھلکی غیر سنجیدہ طنزیہ نظم ہے جو شاید لائقِ قلم زدنی تھی۔ اس کے علاوہ جو نظمیں انگریز پرستی کے ضمن میں لکھی گئی ہیں۔ وہ نظمیں بھی اقبال کے شایانِ شان نہیں تھیں۔ بعض نظموں میں اہلِ اقتدار کی مدح کی گئی تھی جو بشری ضرورتوں کی تحت وقتی مقصد کے لیے تھیں، دوامی مقصد سے عاری لہٰذا ان کا اخراج بھی صحیح ہے۔ نظم "نیا شوالہ" سے اگرچہ برہمن کو مخاطب کر کے لکھی گئی تھی، تاہم دیوی اور دیوتاؤں کے تلازمات کو حذف کر کے اچھا کیا تھا۔ کچھ پرائیویٹ قسم کی نظموں کا اخراج بھی اچھا ہے۔ اس کے علاوہ جن نظموں کو خارج کیا گیا ہے وہ اردو شاعری کا زیان تھا۔ ڈاکٹر صابر کلوروی مرحوم نے ایسا کلام جمع کر کے کلیات باقیات شعر اقبال ترتیب دے کر اُس کی کماحقہٗ تلافی کر دی۔ ایک بات اور بھی تھی اور وہ یہ کہ اقبال چونکہ ایجاز و اختصار

کے قائل تھے اس لیے بھی کڑا انتخاب کیا۔ سعدی شیرازی کے بعد سب سے زیادہ ایجاز و اختصار اقبال کے کلام میں پایا جاتا ہے۔

اقبال نے اپنے کلام میں جو اصلاحات کی ہیں ان کا جواز البتہ موجود ہے۔ اپنے کلام کو معیاری بنانے کے لیے یہ اصلاحات ضروری تھیں۔ اقبال کی بیاضوں سے یہ وہم باطل ٹھہرتا ہے کہ اقبال پر بنے بنائے شعر نازل ہوتے تھے۔ علامہ کی بیاضوں میں اصلاحات کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ علامہ اقبال کی شاعری کی عظمت کا راز مسلسل اصلاحی ریاضت میں پوشیدہ ہے۔ علامہ اقبال کی اصلاحات سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ ان نتائج کو ہم علامہ اقبال کے انتقادِ شعری کے اصول بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ نتائج مندرجہ ذیل ہیں۔:

۱. اقبال آرٹ کو ایجاد و اختراع سمجھتا ہے، نہ کہ محض آلۂ تفریح۔

۲. علامہ اقبال کسی نظم کا عنوان مقرر کرتے وقت نظم کے مرکزی خیال کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اور نظم کا جو مرکزی مضمون ہوتا ہے۔ اسی کے مطابق عنوان بھی دیتے ہیں۔ اسی لیے بعض نظموں کے عنوانات بار بار تبدیل کرتے رہے۔

۳. علامہ کے ہاں اشعار، مصرعوں اور بندوں میں جتنی تبدیلیاں ہوئی ہیں وہ ہر حوالے سے ضروری تھیں لیکن ایسا ہرگز نہیں کہ ان زیرِ ترمیم شعروں، مصرعوں کے خیالات، علامہ کی عمومی فکری فضا سے مختلف تھے ایسا بھی نہیں کہ وہ علامہ کے معروف نظریے سے متصادم تھے اس لیے بدلے گئے۔

۴. علامہ کی غزل نظم کی طرح مسلسل اور نظم غزل کی سی کیفیات رکھتی ہے۔ تو اس لیے کہ علامہ کی شاعری بامقصد ہے۔ فی کل وادٍ یھیمون سے بری۔

۵. علامہ خصوصاً نظم کے آخری شعر کو اکثر و بیشتر مسدس کے بند کے پانچویں، چھٹے، مصرعہ کی طرح پرزور اور موثر بنانے کے درپے رہتے تھے۔

۶. الفاظ کا انتخاب کرتے وقت صوتی اور معنوی حسن کا خیال رکھتے ہیں۔

۷. دونوں مصرعوں میں خیالات کے ربط کا بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ اگر کسی شعر کے مصرعوں کے خیالات میں ربط کمزور ہے تو مصرع کے ایک دو الفاظ کو یا پورے مصرعے کو تبدیل کرتے ہیں۔

۸. جب ہم علامہ کی اصلاحات کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ زیادہ تر اصلاحات لفظی تلازموں کے پیشِ نظر کی گئی ہیں۔ ان اصلاحات سے معنوی تبدیلی عموماً نہیں آئی۔

۹. علامہ کے نزدیک شعر کی بلند آہنگی اور شکوہ کا انحصار الفاظ کی صحیح نشست اور فصاحت پر ہے۔ وہ لفظ کو بلیغ تو دیکھنا چاہتے ہی تھے فصیح بھی دیکھنے کی متمنی رہے۔

۱۰. علامہ اقبال غریب الفاظ اور نامانوس تراکیب کو نظر ثانی میں بدل لیتے تھے۔ بصورتِ دیگر اکثر اوقات اچھا شعر بھی قلم زد ہو جاتا تھا۔

۱۱. علامہ کے علائم اور رموز بھی اشعار کی معنویت میں اضافہ کرتے ہیں۔

۱۲. اگرچہ علامہ صنائع بدائع کا شعوری استعمال کم کرتے ہیں پھر بھی بعض صنعتیں مثلاً صنعتِ تضاد، تجاہلِ عارفانہ، تلمیح اور مراعاۃ النظیر کے استعمال سے بیان وبدیع پر اُن کے عبور کا ثبوت ہے۔

۱۳. استفہامیہ انداز بھی بعض اوقات اصلاحی عمل کا موجب ہوا۔

۱۴. علامہ شعر میں لطافت کے حامی ہیں۔ وہ شعر میں واقعیت کے باوجود رمزیت و ایمائیت کو ترجیح دیتے ہیں۔

۱۵. علامہ دور از کار، ثقیل تراکیب اور توالیٔ اضافت کے استعمال سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔

۱۶. تعقیدِ لفظی اور عیبِ تنافر کو کم سے کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ علامہ حشو و زوائد سے پرہیز کرتے ہیں مگر حشو ملیح کو ضرورت کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔

۱۷. اصلاحی عمل میں علامہ کا اصلاح طلب کلام (مصرعہ یا شعر) عروضی حوالے سے ناپختہ نہ ملا یعنی وہ عروض پر بھی مکمل عبور رکھتے تھے۔

۱۸. علامہ اقبال اشعار میں تعلی کو پسند نہیں کرتے ہیں مگر کہیں کہیں ایسا ہو بھی گیا تو ناروانہ سمجھا گیا۔

۱۹. جو لفظ یا ترکیب ان کی امیجری سے باہر ہو اسے تبدیل کر دیتے ہیں۔

۲۰. محاورات کا بر وقت اور بر محل استعمال کرتے وقت لسانی پابندیوں کا بھی خیال رکھتے تھے۔

۲۱. اگر کوئی شعر بعید الفہم تھا تو اصلاح کے بعد اس کا مفہوم صاف کیا۔

۲۲. بعض اوقات کسی معانی میں گنجل اور تراکیب نامانوس اصلاحی عمل کا سبب بنی۔

۲۳.	بعض اوقات بادی النظر میں شعر بالکل بے عیب نظر آتا ہے لیکن علامہ نے اُسے بھی اصلاحی عمل سے گزارا ہے اور جب تک بھرپور غور نہ کیا جائے وجہ اصلاح یا تنسیخ معلوم نہیں ہوتی۔

۲۴.	علامہ اصلاح سے شعر کو صوری و معنوی لحاظ سے بے عیب کر دیتے ہیں۔

۲۵.	فی زمانہ کہ استادی شاگردی کی رسمِ قدیم رہی ہے نہ مشاعروں کا سلسلہ رہا ہے علامہ کی بیاضیں شعراء کے لیے ایک اچھے رہنما اور استاد کا کام کرتی رہیں گی۔

۲۶.	فارسیت تو اُن کے کلام کا حسنِ زیبا ہے لیکن جہاں تک ان کو سادہ زبان کا روپ مل سکتا ہے علامہ نے بدلنے سے دریغ نہیں کیا۔

۲۷.	بندش شعر کی چستی، انہیں ہر حال مطلوب رہی۔ اکثر اصلاحیں اسی حوالے سے تھیں۔

۲۸.	بسا اوقات علامہ نے اپنے زاویہء نظر کی وضاحت کی خواہش میں آئینہ الفاظ کے ردوبدل سے کام لیا۔

۲۹.	کبھی ایسا بھی ہوا کہ بار بار کی قطع و برید کے بعد نقشِ اول ہی اپنایا۔ حالانکہ بعض ترامیم دلنشین بھی ہوئیں اور حسین بھی۔ شاید اس طرف کوئی توجہ و تفحص سے نوازے۔

مختصر یہ کہ کلام میں کی گئی اصلاحات علامہ کے اصل خیالات و افکار کو سمجھنے کے لیے وسیع تناظر فراہم کرتی ہیں۔ ان کی شاعرانہ عظمت اسی تفحص کا نتیجہ ہے۔

اقبال کے متداول کلام میں تاریخ گوئی کا کوئی نمونہ شامل نہیں ہے۔ حالانکہ وہ آخری وقت تک تاریخ گوئی کرتے رہے۔ گویا علامہ نے تاریخ سے متعلق تمام قطعات کو اپنے کلام سے حذف کر دیا ہے۔ اس کی وجہ شائد یہ تھی کہ یہ قطعات فرمائشی تھے اور ان میں ذاتیات کا شائبہ پایا جاتا تھا۔ مقامیت کو اصول اور آفاقیت دینے پر نظر رکھی۔ اس ضمن میں علامہ کا ایک قول یاد آ رہا ہے کہ میں نے کبھی اپنی ذات کے لیے دعا نہیں کی۔ جو شخص دعا میں جامعیت پر ایمان رکھتا ہو، وہ ایسی ذاتی مفاد کی چیزوں پر کب فخر کر سکتا تھا۔

اقبال نے اپنے کلام پر نظریاتی اور فنی دونوں پہلوؤں سے نظر ثانی کی لیکن یہ کام صرف وضاحت کے لیے ہوا، نظریے میں بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی۔ مختلف زمانوں میں اقبال کی اصلاحات کا معیار تقریباً یکساں رہا ہے۔ خوب سے خوب تر کی کوشش سے کسی مرحلے پر بھی وہ غافل نہیں رہے۔ فکری و نظریاتی

سطح پر تو اقبال نے عالمی مفکرین کی صالح تنقید کے معیارات قائم کئے ہی تھے فنی اعتبار سے بھی وہ ایک سلجھے ہوئے ماہر نقاد کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ حقیقت پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ علامہ اقبال کی شاعرانہ عظمت کسی وقتی الہام، سہل اظہار یا محض فطری جوشِ بیان کا نتیجہ نہیں، بلکہ ایک مسلسل فنی ریاضت، شعوری انتخاب، سخت خود احتسابی اور فکری ذمہ داری کا ثمر ہے۔ اقبال نے اپنے کلام کو جس باریک بینی سے تراشا، جس جرأت کے ساتھ معیاری اشعار تک کو متروک کیا، اور جس اہتمام سے الفاظ، تراکیب، عنوانات، رموز، صوتی آہنگ، معنوی ربط اور فکری مرکزیت کو سنوارا، اس سے ان کے اندر موجود شاعر، مفکر اور نقاد تینوں کی ہم آہنگ شخصیت نمایاں ہوتی ہے۔ بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم اور ارمغانِ حجاز میں کی گئی سیکڑوں اصلاحات، ہزاروں متروک اشعار، اور عنوانات کی مسلسل تبدیلیاں اس امر کی شہادت دیتی ہیں کہ اقبال کے نزدیک شعر محض جمالیاتی تفریح نہیں بلکہ امت کی فکری بیداری، روحانی تربیت اور تہذیبی احیا کا ذریعہ تھا۔ عالمی ادب کے بڑے مصنفین، مثلاً ٹالسٹائے، بالزک، میکالے، ولیم جیمز اور اناطول فرانس کے تصحیحی عمل سے تقابل اقبال کی تخلیقی محنت کو عالمی ادبی روایت کے تناظر میں رکھتا ہے، لیکن اقبال کی انفرادیت یہ ہے کہ ان کی نظرِ ثانی صرف فنی صفائی تک محدود نہیں رہی بلکہ اس میں مقصدیت، آفاقیت، ایجاز، سادگی، فصاحت، فکری وحدت اور اسلامی تہذیبی شعور بھی شامل رہا۔ ان کے متروک کلام کا مطالعہ اقبال کی تنقیص نہیں کرتا بلکہ ان کے فنی ارتقا، ذوقِ انتخاب اور شعری شعور کو زیادہ روشن کرتا ہے۔ اس اعتبار سے اقبال کی بیاضیں اور اصلاحات نہ صرف ان کے اصل افکار کو سمجھنے کا وسیع تناظر فراہم کرتی ہیں بلکہ اردو شاعری کے لیے ایک مستقل دبستانِ نقد، معیارِ فن اور تخلیقی تربیت گاہ کی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔ چنانچہ اقبال کی عظمت کا راز صرف ان کے پیغام میں نہیں، بلکہ اس پیغام کو لفظ، آہنگ اور صورتِ شعر میں ڈھالنے کی اس غیر معمولی محنت میں بھی پوشیدہ ہے جس نے ان کے کلام کو وقتی شاعری کے بجائے ایک زندہ، بامقصد اور آفاقی فکری ورثہ بنا دیا۔

حوالہ جات و حواشی

1 Richard D. Altick, *The Scholar Adventurers*, Macmillan Company, New York, 1950; Richard D. Altick, *The Art of Literary Research*, W. W. Norton & Company, New York, 1963

2 Ludovico Ariosto, *Orlando Furioso*, ed. Santorre Debenedetti, Laterza, Bari, 1928

3 George Otto Trevelyan, *The Life and Letters of Lord Macaulay*, Longmans, Green, and Co., London, 1876, Vol. 2, Chapter XI

4 William James, *The Principles of Psychology*, Henry Holt and Company, New York, 1890

5 Sophia Tolstaya, *The Diaries of Sophia Andreyevna Tolstoy*, trans. S. S. Koteliansky, Victor Gollancz Ltd., London, 1928

6 Jean-Jacques Brousson, *Anatole France Himself: A Boswellian Record*, trans. John Pollock, J. B. Lippincott Company, Philadelphia, 1925

7 André Maurois, *Prometheus: The Life of Balzac*, The Bodley Head, London, 1965

8 Jean-Jacques Rousseau, *Confessions*, 1782; English translation by Angela Scholar, Oxford University Press, Oxford, 2000

۹ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ص۹۸

۱۰ ڈاکٹر گیان چند، تحقیق کا فن، مضمون از جگن ناتھ آزاد، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، طبع اول ۱۹۹۴ء، صفحہ ۱۳۴

۱۱ رشید احمد صدیقی، اقبال شخصیت اور شاعری، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ص ۴۷

۱۲ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ص ۴۷

۱۳ ڈاکٹر صابر کلوروی، کلیات باقیات شعرِ اقبال، ص ۲۹۳